

عالم اسلام

زندگی کے چوراہے پر

(ایک بلند پایہ تصنیف کا خلاصہ خود مصنف کے قلم سے)

پیش نظر مضمون عالم اسلام کے مایہ ناز مفکر اور داعی مولانا ابوالحسن علی ندوی نے حال ہی میں اپنی مطبوعہ کتاب ”اسلامیت اور مغربیت میں کشمکش“ کے حوت آخر کے طور پر لکھا ہے۔ اور گویا پوری تصنیف کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جو پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ حضرت مولانا موصوف نے یہ حصہ اشاعت سے قبل ”الحق“ کیلئے ارسال فرمایا ہے۔ اس وقت عالم اسلام جن فکری تہذیبی اور فنی مشکلات میں گھرا ہوا ہے اور مغربیت تجدید اور الحاد و ارتداد کا سیلاب جس تیزی سے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے فاضل مضمون نگار نے نہ صرف اس سے نکلنے بلکہ مسلمانوں کی اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کی بھی نہایت درد و سوز سے نشاندہی فرمائی ہے۔ یہ پورے عالم اسلام کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ کاش! اس سرود ازل سے ہم بیدار ہوں اور پورے جوش اور دلولہ سے اپنی بربادی کی تلافی کرنے پر آمادہ ہو سکیں۔ (سید سمیع الحق)



یہ بات کتنی ہی تلخ اور ناخوشگوار ہو، لیکن یہ امر واقعہ ہے، کہ عالم اسلام عمومی طور پر خود شناسی اور خود اعتمادی کی دولت سے محروم ہے۔ اس وسیع (اسلامی) دنیا میں جو ملک آزاد ہیں (خواہ وہ صدیوں سے آزاد چلے آ رہے ہوں، یا انہوں نے ماضی قریب میں آزادی حاصل کی ہو) وہ بھی ذہنی اور علمی حیثیت سے مغرب کے اسی طرح سے غلام ہیں، جس طرح ایک ایسا پسماندہ ملک غلام ہوتا ہے جس نے غلامی ہی کے ماحول میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا ہے۔ بعض اوقات ان ملکوں کے سربراہ سیاسی میدان میں قابل تعریف اور بعض اوقات خطرناک حد تک جرأت و ہمت کی بات کرتے

ہیں۔ اور بعض اوقات ہم جرتی اور اپنے ملک کی بازی شکست کا دینے سے باز نہیں آتے، لیکن فکری، تہذیبی اور تعلیمی میدان میں ان سے اتنی بھی خود اعتمادی، انتخاب کی آزادی، اور تنقیدی صلاحیت کا اظہار نہیں ہوتا، جتنی کہ کسی ایک عاقل، بالغ انسان سے توقع کی جاتی ہے، حالانکہ فلسفہ تاریخ کا یہ ایک مسئلہ اصول ہے کہ فکری، تہذیبی اور تعلیمی غلامی، سیاسی غلامی سے زیادہ خطرناک، عمیق اور مستحکم ہوتی ہے۔ اور اسکی موجودگی میں ایک حقیقت پسند، فاتح قوم کے نزدیک سیاسی غلامی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس بیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائیوں میں جب دنیا و عظیم عالم گیر جنگوں سے گزر چکی ہے اور تیسری یہاں سوز جنگ کے بادل امنڈ رہے ہیں، اور کسی ملک کا کسی ملک کو غلام بنانا اور اسکی مرضی کے خلاف اس پر قبضہ رکھنا ایک ناقابلِ منہم اور ناممکن العمل سی بات سمجھی جانے لگی ہو، دنیا کی بڑی طاقتیں اب روز بروز سیاسی اقتدار کی بجائے ذہنی و تہذیبی اقتدار اور یکسانی و ہم رنگی پر توجہ دینی چلی جائیں گی۔

مغرب کے اس ذہنی اور تہذیبی اقتدار اور اصولی و نظریاتی وحدت کو دنیا میں اگر کوئی طاقت دعوت چیلنج کر سکتی تھی، اور اسکی راہ میں رکاوٹ بن سکتی تھی، تو صرف عالم اسلام کی جداگانہ شخصیت، اسکی ذہنی و اخلاقی دعوت، اور اس کا فلسفہ زندگی تھا، لیکن ایک طرف ان تاریخی عوامل کی بناء پر جن کی ہم نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“ میں تشریح کی ہے۔ عالم اسلام مغرب کی ابھرتی اور پھیلتی ہوئی طاقت سے آنکھیں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا، اور جو طبقہ اس دور انقلاب میں اسکی قسمت کا مالک بنا ہوا تھا، وہ جیسا کہ ہم نے ایک پچھلے باب میں بیان کیا ہے، تمام تر مغرب کا نہ صرف خوش چین، بلکہ دایہ مغرب کا شیر خوار بچہ تھا، جس کا (ذہنی) گروشت پرست اسی کے دودھ، اور اسی کے خون جگر سے تیار ہوا تھا، دوسری طرف ان اسلامی ملکوں کے عوام و جمہور میں ایمان و عقیدہ کا جواثر اخلاقی رکھ رکھاؤ، معاشرتی روایات کا احترام، ان نفس کی ترقیبات کا مقابلہ کرنے کی جو بچی کچی طاقت تھی (جس سے مغرب عرصہ ہوا عروم ہو چکا ہے) اسکو مغرب نے ان مختلف ذرائع سے، جن میں سے بعض بظاہر نہایت معصوم اور فیاضانہ ہیں، اور بعض نہایت مسموم اور مجرمانہ ہیں، ڈائنامیٹ کرنا شروع کر دیا ہے۔ تعلیمی میدان میں یونیورسٹی کی اجانت و سرپرستی اور ماہرین کی منصوبہ بندی کے ذریعہ کبھی مغربی اساتذہ اور ماہرین تعلیم کے ذریعہ، کبھی اس تشکیلی، انتشار پسند اور ہیجان انگیز شریح کے ذریعہ جو ایک سیلاب کی طرح عالم اسلام میں پھیلتا جا رہا ہے۔ کبھی عیار زندگی بلند کرنے، اور زندگی کو خوشگوار، اور پرسرست بنانے کے بہانے ٹیلیفون کو گھر گھر عام کرنے کے ذریعہ

اس طاقت کو بے اثر مغلوب کیا جا رہا ہے۔ کبھی ان پسماندہ ملکوں کو جو فیاضانہ انداز میں دی جاتی ہیں، ان کی شرائط کے طور پر ان ملکوں کی حکومتوں سے ایسی تبدیلیوں اور اصلاحات کا مطالبہ کیا جاتا ہے، جو ان مسلم عوام کا مزاج، اور ان کا نظام معاشرت بدل دینے کیلئے ایک کارگر حربہ ثابت ہوتی ہیں۔ غرض مغرب نے دور رہتے ہوئے بھی ان ملکوں کے گرد ایسا گھیرا ڈال دیا ہے۔ اور ایسے حالات پیدا کر دئے ہیں، کہ غلامی کے کہنے اور فرسودہ طریقوں سے کہیں زیادہ یہ آزاد ملک مغربی طاقتوں کے پنجہٴ اقتدار میں گرفتار ہیں، اور اکبر مہر م کے اُس پرانے شعر کی ایک، ایسی وسیع اور پراز حقیقت تشریح سامنے آرہی ہے جو شاید خود شاعر کے وہم و گمان میں نہ تھی۔

کس رہے ہیں اپنے مفادوں سے ملحقہ جاں کا طائر دل پر سہا رہے، صیاد کے اقبال کا

ان تبدیلیوں یا ”اصلاحات“ کے نفاذ میں ان ملکوں کے سربراہ جن میں سے بعض اسلام کا دم بھی بھرتے ہیں بعض ایک عالمگیر اسلامی خانت اور اسلامی ہلاک کی باتیں بھی کرتے ہیں، اس طرح سرگرم اور مستور نظر آتے ہیں، جس سے زیادہ خود مغرب کے تبدل پسند نہیں ہو سکتے، جس طرح بے چوں چرا امریکہ اور روس کے اصلاحی اور تعلیمی منصوبوں کو قبول کیا جا رہا ہے۔ جس طرح ان کے ماہرین فن کو ان ملکوں کے ذہن و مزاج کی تبدیلی کا نقشہ بنانے کی اجازت دی جا رہی ہے، جس پرش و خروش اور عدم فیصلہ کے ساتھ ٹیلی ویژن کو (بغیر کسی بنیادی تبدیلی و اصلاح کے) گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور مختلف ذرائع سے اسکو زیادہ سے زیادہ قابل حصول بنایا جا رہا ہے۔ جس طرح مستشرقین کے بعض سعادت مند شاگردوں کو اسلامی معاشرہ میں تشلیک و انتشار پیدا کرنے کے وسائل اور مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں۔ جس طرح مختلف ذرائع سے تفریح و تئیش کا رجحان پیدا کیا جا رہا ہے، عورتوں کی غیر محدود آزادی و بے پردگی، مخلوط تعلیم، فلم سازی کی صنعت کی ہمت افزائی اور سرپرستی کی جا رہی ہے۔

اس سے رشتہ ہوتا ہے، کہ یہ سربراہ ان مغربی طاقتوں کے (دانستہ یا نادانستہ) آلہ کار اور

ان کے تحریمی مقاصد میں ہم نواز نہ نہیں بن گئے ہیں۔ اور کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ ان عوام کو اس دینی غیرت، اخلاقی شعور، خیر و شہ کی تیز اور جیاد بے حیائی کے مفہوم ہی سے نا آشنا بنا دینا چاہتے ہیں۔ جو بعض اوقات ان کی انفرادی بے راہ روی، تجدد و مغرب پرستی کی راہ میں رکاوٹ بنتا رہتا ہے۔

اور جو کسی وقت بھی ایک دینی انقلاب، اور نشاۃ ثانیہ بن کر ان کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ اگر تبدیلی یا ”اصلاحات“ کا یہ عمل چند برس اور جاری رہا، اور اخلاقی تخریب و انتشار کے ان وسائل کو کچھ عرصہ آزادی کیساتھ اپنا کام کرنے کا موقع ملا۔ تو ان ملکوں کی وہ نسل

جس میں نئے اثرات قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہے، اتنی متاثر ہو جائے گی کہ وہ اس تہجد و مغربیت کی راہ میں کوئی قابل ذکر مزاحمت نہ کر سکے گی، جہاں تک اس نئی نسل کا تعلق ہے، جو اس ماحول میں پروان چڑھے گی، تو اس کے یہاں کسی مخالفت یا اختلاف رائے کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہے گا، اس کا بھی قوی خطہ ہے (اور اس کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں) کہ ان ممالک کا ایک بڑا طبقہ بالخصوص مرفہ الحال، اور با اختیار طبقہ اس اخلاقی حدام میں مبتلا ہو جائے گا۔ جس کا مغرب پوری طرح شکار ہو چکا ہے، اور پھر شاید پوری دنیا میں کوئی ایسا صحت مند معاشرہ ہی باقی نہیں رہے گا جس پر دنیا کی دوبارہ روحانی اور اخلاقی تطہیر کے کام میں اعتماد کیا جاسکے۔

جہاں تک مغرب کا تعلق ہے، وہ عالم اسلام کے بارے میں کبھی مختص اور نیک نیت نہیں ہو سکتا، یہ اس پھٹی تاریخ کا بھی تقاضا ہے، جس پر صلیبی جنگوں کے گھنے سائے پھیلے ہوئے ہیں۔ اور سلطنت عثمانیہ، اور مغربی ممالک کی طویل اور خون ریز آویزش کی گہری چھاپ پڑی ہوئی ہے۔ یہ حقیقت پسندی اور عقل علی کا بھی تقاضا ہے کہ صرف عالم اسلام ہی میں مغرب کے عالم گیر اقتدار کو چیلنج کرنے اور ایک ایسا نیا بلاک بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے جسکی بنیاد جداگانہ فلسفہ زندگی اور عالم گیر دعوت پر ہو یہ اُن قدرتی وسائل اور ذخائر کی قدر و قیمت کے احساس کا بھی نتیجہ ہے جو عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں بڑی افراط اور فراوانی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اور جو مغرب کے صنعتی و تجارتی، نیز سیاسی اقتدار کے لئے بڑی اہمیت اور بعض اوقات نیکصدکن حیثیت رکھتے ہیں۔ اور آخر میں یہ انسانی فطرت کی ایک کمزوری کا تقاضا بھی ہے کہ اکثر انسان جب ایک لاعلاج مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کو اس سے تسکین ہوتی ہے۔ کہ دوسرے بھی اس کے شریک حال ہو جائیں، اور تندرست و بیمار کے درمیان جو فرق ہے وہ مٹ جائے۔ انسانی فطرت کی اس کمزوری سے وہی لوگ محفوظ رہتے ہیں، یا اس پر غالب آ جاتے ہیں، جن کے اندر پیغمبروں کی تعلیم کے اثر سے سچی خدا ترسی اور صحیح انسانیت دوستی پیدا ہو جاتی ہے، اور بد قسمتی سے مغرب صدیوں سے اس دولت سے محروم ہو چکا ہے، مغربی اقتدار اور فتوحات کی تاریخ صاف بتاتی ہے کہ جن ملکوں کو اس کے زیر سایہ آنے کا موقع ملا، ان کو وہ اخلاقی چھوت مزدور لگ گیا جو مغرب کے نقیبوں کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اور ہمیشہ بعض جبری اور منصف مزاج مغربی مصنفین و ناقدین کا بیان ہے، مغرب کی سامراجی طاقتوں نے مشرقی ممالک میں اخلاقی انتشار پھیلانے اور تشاؤ پیدا کرنے کی منظم کوششیں کیں۔ مسیحیت کا حلقہ گوش مغرب مسیحیت کے بارے میں خواہ کتنے

ہی تشنگ وارتیبائی (AGNOSTIC) واقع ہوا ہو، سچی عقائد کے بارے میں اسکی روشن خیالی و وسیع النظری خواہ الحاد و زندقہ کے حد تک پہنچی ہوئی ہو، لیکن مسلم اقوام اور عالم اسلام کے معاملہ میں وہ کٹر مسیحی واقع ہوا ہے۔ وہ اس کے معاملہ میں اپنے جن دشمن اور خون کے پیاسے یہودیوں تک سے مصالحت کر سکتا ہے، اور ان کو مسلمانوں پر کھلی ترجیح دے سکتا ہے، اس مذہبی تعصب کے علاوہ جو اسکی گھٹی میں پڑا ہوا ہے، اور جو تقریباً اس کا مزاج بن چکا ہے، اس کو اپنا مفاد بہر حال ہر چیز سے عزیز ہے۔ یہ بارہا کا تجربہ ہے کہ کسی اسلامی طاقت کی جب کسی غیر اسلامی طاقت سے ٹکڑ ہوئی تو اس نے ہمیشہ غیر اسلامی طاقت کا کھل کر ساتھ دیا اسکی درپردہ مدد کی، جون، ۱۹۶۷ء کے عرب و یہود تصادم نے اس بات کو روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے کسی ملت یا جماعت کو کسی مغربی یا مشرقی بلاک سے کسی مخلصانہ مدد اور مکمل طاقت کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ اسکی ہر اقدام اور فیصلہ کے وقت خدا کے بعد اپنے ہی دست و بازو اور اپنے ہی وسائل پر اعتماد کرنا چاہئے۔

جہاں تک اسلامی ملکوں کے سربراہوں اور رہنماؤں کا تعلق ہے، ان کو سمجھنا چاہئے کہ اس ادھاؤ ضد، تجدد و مغربیت اور تشنگ و انتشار سے خواہ وقتی طور پر ان کو اور ان کے جانشینوں کو فائدہ پہنچے۔ مجموعی طور پر ملت کو ایسا نقصان پہنچے گا، اور اس کی بڑی اس طرح بل جائیں گی، کہ صدیوں تک اسکی تلانی نہ ہو سکے گی۔

ان قوموں میں اپنی ساری کمزوریوں، اور خرابیوں کے باوجود وہ طاقتور ایمانی جذبہ، اللہ کے نام پر ایثار و قربانی کی صلاحیت، اطاعت اور انقیاد کا ولولہ اور خلوص و محبت کی گرم جوشی پائی جاتی ہے، جن سے تقریباً دنیا کی تمام مادہ پرست قومیں محروم ہو چکی ہیں، اسلامی ملکوں کے یہ عوام اپنی قابل افسوس جہالت اور پسماندگی کے باوجود وہ بہترین مواد خام ہیں، جن سے بہترین انسانی نمونے اور ماڈل تیار کئے جاسکتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی طاقت ان کا ایمان و خلوص، اور ان کی سادگی و گرم جوشی ہے، اس طاقت نے بارہا محیر العقول کارنامے انجام دئے ہیں، اور بعض اوقات ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے۔ اور جب کبھی ان ملکوں پر کوئی نازک وقت آیا ہے، تو مسلم عوام کا یہی ایمانی جذبہ اور خلوص و سادگی کام آئی ہے۔ خالص حقیقت پسندی اور واقعیت کی بنیاد پر بھی اس طاقت کی قد کرنی چاہئے، اور اسکو اپنے ملکوں کی حفاظت و استحکام اور دنیا میں کوئی بڑا رول ادا کرنے کے لئے اپنا سب سے بڑا سہارا اور ذخیرہ سمجھنا چاہئے، لیکن اس تجدد و مغربیت کے اثر سے

ان عوام کی اس طاقت کو وہ گھٹن گتا جا رہا ہے۔ اور ان کے اندر ایک ایسا اخلاقی کینسر پیدا ہو رہا ہے جو ناقابل علاج ہے۔

مغرب کے ناقابل انکار علمی و صنعتی تفوق کو سامنے رکھ کر جس سے آنکھیں بند کر لینا نہ عقل کا تقاضا ہے نہ مذہب کی تعلیم، اور نہ عملاً ممکن، عالم اسلام کے سامنے صرف دو راستے رہ جاتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے مسودہ ہو کر اس کے پورے فلسفہ زندگی، اس کے تصور کائنات، اس کے مابعد الطبیعیاتی عقائد و تصورات، اس کے عمرانی و اجتماعی نظریات، اس کے اخلاقی نقطہ نظر اور اس کے مسلک زندگی کو جوں کا توں قبول کر لیا جائے۔ اور اپنی ہستی کو اس کے سانچے میں یکسر ڈھال دینے کی کوشش کی جائے۔ یہ اس حقیقت سے قطع نظر کہ یہ ایک مکمل اور ہمہ گیر ارتداد، اور روحانی و ذہنی خودکشی کے مرادف ہوگا، اور اس انسانیت کے ساتھ غداری اور بے وفائی جسکی آخری اُس بنی ظالم کی اسی امت سے لگی ہوئی تھی، ایک ایسی غیر ضروری محنت اور سعی لا حاصل ہے، جس کا نتیجہ طویل و خنوع و ذہنی کشمکش، روحانی بے چینی، انسانی طاقتوں کے ضیاع، اور اصاعت و قوت کے سوکچہ نہیں، یہ ایک ایسی بنی بنائی مستحکم عمارت کی تخریب ہے، جس کے طبع پر دوسری عمارت تعمیر کرنے کے لئے نہ مواد خام موجود ہے، نہ تعبیری صلاحیتیں، نہ آب و ہوا اور ماحول سے مناسبت نہ ماضی سے ارتباط، عالم اسلام کے جن جن گوشوں، اور جن اسلامی ملکوں میں یہ کوشش کی گئی ناکام رہی، اور بسبب بھی اس مصنوعی اور غیر طبعی اقتدار کی گرفت ڈھیلی ہوئی، اور عوام کو اپنی پسند اور ناپسند کے اظہار کا موقع ملا، انہوں نے فوراً اس جھوٹ کو اتار پھینکا جو نہ ان کے جسم پر قطع ہوئی تھی، اور نہ ان کے مزاج کے مطابق تھی، آج ترکی میں بھی نظر آ رہا ہے، اور مصر و شام میں بھی عنقریب ہی پیش آ رہے والا ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ مغرب سے علم و صنعت، ٹکنالوجی اور سائنس، اور ان علوم و تحقیقات میں جن کا تعلق تجربے، حقائق و واقعات، اور انسانی محنت و کوشش سے ہے، فراخ دلی کے ساتھ استفادہ کیا جائے، پھر ان کو ان مقاصد کے لئے اپنی خدا داد ذہانت اور اجتہاد کیساتھ ان اعلیٰ مقاصد کا نالغ اور خادم بنایا جائے جو آخری نبوت اور آخری صحیفہ نے ان کو عطا کئے، اور جن کی وجہ سے ان کو خیر امت، اور آخری امت کا لقب ملا ہے، وسائل اور مقاصد کا یہ خوشگوار امتزاج جس سے سر دست مغرب بھی محروم ہے اور مشرق بھی کہ مغرب تنہا قاهر و سائل کا سرمایہ دار ہے، اور صالح مقاصد میں محض تہی دامن اور مشرق (اسلامی) صالح مقاصد کا واحد احبارہ دار ہے۔

اور مشر و مسائل سے یکسر محروم، مغرب کو سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن کرنا نہیں چاہتا، اور صحیح الفاظ میں کرنا نہیں جانتا، اسلامی مشرق کو ناسب کچھ چاہتا ہے، لیکن کر کچھ نہیں سکتا۔ یہ صحت مند دھارم انتزاع دنیا کی قسمت بدل سکتا ہے، اور اسکو خود کشی و خود سوزی کے راستے سے ہٹا کر فلاح دارین، اور سعادت ابدی کے راستے پر ڈال سکتا ہے، یہ ایسا کارنامہ ہوگا جو تاریخ کے دھارے اور دنیا کی قسمت کو بدل کے رکھ دے گا۔ یہ کارنامہ وہی امت انجام دے سکتی ہے جو آخری پیغمبر کی جانشین اور اسکی تعلیمات کی حامل و امین ہے۔ اس بناء پر عالم اسلام کا حقیقی غورہ جس سے اس کے دشت و جبل گونجنے چاہئیں یہ ہے کہ

عالم ہمہ دیرانہ زحمتگیزی افزنگ
معمارِ حرم باند بہ تعمیر جہاں خیز

مشرق کے ایک باہمت اور حوصلہ مند ملک جاپان نے اس اقدام کا ایک ہنایت محدود اور اسلامی نقطہ نظر سے بہت پرست معیار کا تجربہ کیا، اس نے مغرب سے علم و صنعت میں ایسا استفادہ کیا کہ استاد و شاگرد میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنے معتقدات اور اپنے تہذیبی خصائص و روایات قائم رکھے، لیکن بد قسمتی سے اس کے مذہبی معتقدات اسکی تہذیب نہ زمانہ حال سے کوئی مطابقت رکھتی ہے۔ نہ اس کے اندر افادیت اور انسانی خدمت کا کوئی پیر ہے۔ نہ اس میں عالمگیر پیام بننے کی صلاحیت ہے، یہ چند کہنہ اور فرسودہ معتقدات و روایات کا ایک مجموعہ ہے جس کو جدید جاپان اپنے سینہ سے لگائے ہوئے ہے۔ اور یہ اسکی قوتِ ارادی اور اپنے ماضی سے وابستگی کا ریشہ ہے کہ اس نے اسکو ابھی تک ترک نہیں کیا ہے۔ لیکن اسلامی مالک کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، اس کے پاس ایسا دین، ایسی شریعت اور ایسا قانون ہے، جس کے لئے قدیم و جدید کی اصطلاح بے معنی ہے۔ ایسی تہذیب جس کی اساس حقائقِ ابدی پر ہے، یہ ایک سدا بہار درخت ہے، جو کسی وقت بھی نو کی طاقت اور برگ و بار لانے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوتا۔ اس بناء پر ان مالک کے لئے جدید علم و صنعت اور اپنے بدی و عناد و حقائق کے درمیان اتحاد و تعاون پیدا کرنے میں قطعاً کوئی زحمت پیش نہیں آسکتی، اور اس کے نتائج اس سے کہیں زیادہ انقلاب انگیز اور عالمگیر اثرات رکھنے والے نکل سکتے ہیں، جتنے کہ جاپان کے اس تجربہ سے برآمد ہوئے۔ جاپان اور ہر روایت پرست ملک میں یہ کوشش شیشہ و آہن اور پنبہ و آتش کی ہم آمیزی کی کوشش کے مرادف ہے، لیکن ایک سماں کے نزدیک اس میں کوئی تضاد و تناقض نہیں ہے۔ اس کے نزدیک دین صحیح اور علم صحیح

کا ٹکراؤ ممکن نہیں، اور اس کے نزدیک حکمت مومن کا گم شدہ مال ہے۔ اور وہی اس کا حقیقی مالک ہے۔ اس کے نزدیک وسائل کے خیر و شر ہونے کا فیصلہ اس پر منحصر ہے کہ وہ کن مقاصد کے ماتحت استعمال ہوتے ہیں، اس کے نزدیک ہر طاقت، ہر تحقیق، ہر علم، ہر نمائندہ ذریعہ اسی لئے ہے کہ وہ خدا کے دین کے لئے استعمال ہو، اور مخلوق کے فائدے کے کام آئے، اس کا فرض ہے کہ وہ اس کو غلط محل سے نکال کر صحیح محل میں استعمال کرے۔ اور اس کو تخریب کے بجائے تعمیر کا ذریعہ بنائے لیکن اس کام کے لئے وہ ذہانت ”جرئت اندیشہ“ اور وہ ایمان و خلوص درکار ہے جو ہر تقلیدی رجحان، ہر پہلے ہوئے نعرے اور فیشن، اور ہر شخصی و جماعتی مفاد کا مقابلہ کر سکے۔ جس کی خاطر ہمارے اسلامی ملکوں کے سربراہ، اُس سب ایثار و قربانی پر آمادہ ہوں، جو اس کے لئے مطلوب ہے، اور جس کے نتیجے یا انعام کے طور پر اولاً ان کو اپنے ملکوں میں عبوریت کا وہ مقام حاصل ہوگا جو اور کسی ذریعہ سے ان کو حاصل نہیں ہو سکتا، پھر ان کو اور ان کے ذریعہ ان کے ملکوں کو ہدایت و امامت کا وہ منصب رفیع میسر آئے گا جس کا وہ ابھی خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مغربی تہذیب کو پورے طور پر گھن لگ چکا ہے، وہ اب محض اپنی صلاحیت اور زندگی کے استحقاق کی بنیاد پر نہیں جی رہی ہے، بلکہ اس لئے کہ بد قسمتی سے کوئی دوسری تہذیب اس کی جگہ لینے کے لئے تیار نہیں۔ اس وقت جتنی تہذیبیں یا قیادتیں ہیں، یا مغربی تہذیب کی لکیر کی فقیر اور اس کی ایک روکھی پیکی تصویر میں یا اتنی کمزور اور شکست خوردہ ہیں کہ اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتیں، اب اگر اسلامی ممالک اور عالم اسلام مجموعی طور پر اس خلا کو پُر کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے جو مغربی تہذیب کے خاتمہ سے عالم انسانی میں پیدا ہوگا، تو اس کو دنیا کی امامت کا دوبارہ منصب تفویض کیا جاسکتا ہے جو سنۃ اللہ کے مطابق ایک جرمی دقوی اور تازہ دم ملت یا قیادت کے سپرد کیا جانا رہا ہے۔

اب ان قائدین کو یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ کیا مغرب کی دائمی غاشیہ برداری اور کشکول گردانی مناسب ہے۔ یا دنیا کی رہنمائی کا منصبِ عالی، اور عالم انسانی کی ہدایت کی سند رفیع جس سے (نبوت کے بعد) بڑھ کر کوئی سرفرازی اور سر بلندی نہیں، کیا اس کے لئے ظاہری نام و نمود، عہدہ منصب، لذت و راحت اور مادی و جسمانی ترغیبات کی قربانی کوئی حقیقت رکھتی ہے، اگر اس کے لئے سوا جانیں بھی قربان کی جائیں تو درحقیقت گھاسٹے کا سودا، اور زیان و نقصان کا معاملہ نہیں ہے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں
اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسا اسلامی ملک اس کا عظیم کی ہمت کرتا ہے، جس سے زیادہ انقلاب انگیز

عہد آفرین اور حیات بخش کوئی کام اس دور میں نہیں ہو سکتا، اور جس کے سامنے یورپ کی نشاۃ ثانیہ، انقلاب فرانس اور روس کا فلسفہ اشتمالیت اور مارکسی دعوت ذکر کرنے کے قابل بھی نہیں، اس میں ذہانت و جرأت کا جو عنصر اور حیات آفرینی و انقلاب انگیزی کی جو صلاحیت مضمر ہے، اس سے نہ صرف ان ممالک کو جن میں یہ تجربہ کیا جائیگا، بلکہ پورے عالم انسانی کو فکرو عمل کا یونیا میدان ہاتھ آئیگا۔ اور راستی و سلامتی کی پورا راہ ملے گی، اسکو سامنے رکھتے ہوئے وہ پچھلے انقلابات ایک جرات شکن اور ایک حرکت طفلانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے، یہ کارِ عظیم صرف وہی اقوام و مل اور وہی جماعتیں و افراد انجام دے سکتے ہیں جو ملتِ ابراہیمی کے حلقہ گوش ہیں، اور جو تکمیل دین، اور ختم نبوت کے انعام و مزدہ سے سرفراز ہو چکے ہیں، آج عالم اسلام کے تمام قائدین کے لئے سرودِ ازل ہے کہ ——— وجاہدوا فی اللہ حق جہادہ دہو اجتہدوا ما جعل علیکم فی الدین من حرج ملة ابيکم ابراهیمہ ہرستمکم المسلمین من قبلہ و فی ہذا لیکون الرسول شہیداً علیکم و تکلونوا شہداء علی الناس۔ فاتموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ و اعلموا باللہ ہو مولیکم فنعھم المولیٰ و نعم النصیر (سورہ الحج)

اسلامی کتب

- ۱۔ دنیا میں جنت۔ حج بیت اللہ کی معلومات، دیں دیں کا سفر نامہ، حالات یورپ۔
 - ۲۔ دیار حبیب۔ مدینہ طیبہ مسجد اقصی وغیرہ کے دلچسپ حالات۔
 - ۳۔ سرمایہ آخرت۔ جنت و دوزخ اور آخرت کی تفصیلات۔
- (مصنف۔ رائڈ شمیر علی خان صاحب انٹرنیشنل تبلیغی مشن لندن)

بساطِ ادب کشمیری بازار۔ لاہور

جمال شفاء خانہ رحیم پور نوشہرہ ضلع لہور

دیرینہ، پیچیدہ، جسمانی، روحانی
امراض کے خاص علاج

احکام زکوٰۃ و فضائلِ رمضان مرتبہ و لایا محمد صاحب تھانوی۔ یہ بہترین رسالہ صرف دس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر مفت طلب فرمائیں۔ پتہ: سعید احمد قادری دہلوی ۱۲۰ خواجہ شہاب الدین مارکیٹ صدر کراچی